صاحب فنانشل کمشنر بہادر قادیان مین

مین پہلے لکھہ چکا ہون کہ ۲۱ مارچ ۱۹۰۸ء صاحب فنانشل کمشنر بہادر کی تشریف آوری کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی ایک لمبا زمانہ گذرتا ہے کہ قادیان مین کوئی معزز عہدہ دار آیا ہو۔ اس لحاظ سے جناب فنانشل کمشنر صاحب کی تشریف آوری قادیان کے لوگون کے لئے عموماً اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے خصوصاً بہت ہی خوش کن تھی۔ ایک وقت تھا جب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے امام و پیشوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب ایدہ اللہ بنصرہ کے والد ماجد جناب مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم سے ملاقات کرنے کے لئے بڑے بڑے عہدہ دار اور یورپین افسر تشریف لایا کرتے تھے۔ اسوقت قادیان کے سردار اور رئیس کی شہرت خاندانی وجاہت اور سرکار انگلشیہ کی خیر خواہی کیوجہ سے دنیوی رنگ مین دور دور تھی۔ مگر اب وہ زمانہ بدل گیا۔ سرکار انگریزی کے اس وفادار خاندان کا چیف ممبر خدا تعالےٰ کے فضل سے اسکی طرف کھینچا گیا۔ اور دنیوی شان و شوکت کا خیال اسکے دل سے محو ہو گیا۔ اور وہ مخلوق الہی کی روحانی بھلائی اور بہتری کیلئے مامور ہو کر آیا ہے۔ اور **اصلاح خلق** کیلئے مہدی اور مسیح کہلا کر پبلک مین نکلا۔ اور اگرچہ اسے وہ موقعہ نہیں ملا۔ کہ وہ اپنے والد بزرگوار کیطرح گھوڑون اور سوارون سے گورنمنٹ کی مدد کرتا۔ مگر اسنے جو خدمت کی اور کسی غرض کیلئے نہیں بلکہ محض خدا تعالیٰ کیلئے کی وہ بلا مبالغہ **گورنمنٹ کی بے نظیر خدمت ہے** مرزا صاحب مرحوم نے تو **غدر** کیوقت خدمت کی تھی مگر ہمارے امام نے لوگونکی ایسی اصلاح شروع کی ہے۔ کہ غدر کے خیالات ہی ایک جماعت کے دل سے دور کر دیئے جائین۔ اور آیندہ کسی وقت کے لئے گورنمنٹ کو ایسا اندیشہ ہی نہ رہے۔ اسوقت تیغ و سنان کی جنگ گورنمنٹ کیلئے اتنی نقصان رسان نہیں جسقدر خیالات مین بدظنی اور بغاوت کے ناپاک بیج کا پیدا ہونا ہے۔ پس آپ نے خدا تعالےٰ کے حکم سے مامور ہو کر اور منصب جلیل پر ممتاز ہو کر جو دنیا مین حیرت انگیز انقلاب کا مترادف سمجھا گیا ہے ایک ایسا تغیر پیدا کیا۔ **جسکی نظیر نہیں مل سکتی۔** مہدی اور مسیح کی آمد کا مسئلہ ایک خطرناک مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ اور مسلمانون نے علمی و عملی غلط فہمی کیوجہ سے یہ سمجھہ رکھا تھا۔ کہ آنیوالے مہدی اور مسیح کا کام صرف جنگ ہو گا۔ اس لحاظ سے یہ عقیدہ سخت خوفناک ہو چکا تھا۔ مگر حضرت مسیح موعود نے اپنے طرز عمل اور تعلیم سے دکھا دیا کہ اسلام ہی **ایک ایسا مذہب ہے جسکی اشاعت کیلئے تلوار کی حاجت نہیں۔**

اور آنیوالا مہدی اور مسیح ایک ہی شخص ہو گا۔ اور اسلام کی اشاعت عملی سچائیون اور خدا تعالےٰ کی خارق عادت تائیدون سے کریگا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی صاف وحی سے مطلع ہو کر **اپنے آپ کو پیش کیا۔** اور خونی مہدی اور خونی مسیح کے اعتقادات کو حرف غلط کیطرح مٹا ڈالا۔ اور اسطرح جو جماعت تیار کی اعتقادی طور پر اسکی سپرٹ مین اصلاح اخلاق و وفاداری اور شکر گذاری اور گورنمنٹ انگلشیہ کیلئے سچی اطاعت کی روح پھونک دی۔ اپنی شرایط بیعت مین اس امر کو داخل کر دیا۔ پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ ستر ۷۰ کے قریب کتابین تالیف کر کے انمین گورنمنٹ انگلشیہ کے برکات اور محاسن کو ممالک اسلامیہ پر کثرت سے پھیلایا۔ غرض چونکہ زمانہ خیالات کے نشو و نما اور ترقی کا تھا۔ اور سوارون اور تلوارون کی حاجت نہ تھی اسلئے حضور نے گورنمنٹ انگلشیہ کے بہی خواہون کی جماعت پیدا کرنے مین بہت بڑی کوشش فرمائی۔ اور یہ کوشش کسی صلہ اور اجر کے لئے نہیں۔ بلکہ

محض خدا کیلئے اور خدا کے حکم سے

مین اس مضمون سے دور نکل جاونگا اگر اسی سلسلہ سخن کو دراز کرونگا اس لئے پھر اسی مطلب کی طرف آکر کہتا ہون۔ کہ سالہا سال کے بعد قادیان کو یہ موقع ملا۔ کہ صوبہ پنجاب کا ایک ذمہ دار اعلیٰ آفیسر اس سرزمین مین خیمہ زن ہوا۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ (جو سرکار انگلشیہ کیلئے مذہبی رنگ مین خاص جوش وفاداری رکھتا ہے) کیطرف سے اسکے خیر مقدم کے لئے بڑی خوشی اور فرحت کے ساتھہ انتظام کیا گیا۔ چنانچہ صاحب ممدوح کے اترنے کے لئے کیمپ کا انتظام صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے کیا گیا اور انجمن نے اپنے معزز مہمان کو اپنی زمین مدرسہ مین اترنے کا موقعہ دیا۔ اس مقصد کے لئے ایک شاندار کیمپ مدرسہ کی نئی عمارت کیلئے مجوزہ زمین مین تیار کیا گیا۔ چونکہ فنانشل کمشنر بہادر کے ہمراہ ہمارے ضلع کے بیدار مغز اور دقیقہ رس نیکدل صاحب ڈپٹی کمشنر مسٹر سی۔ ایم کنگ اور صاحب مہتمم بندوبست بھی تھے اس لئے یہ احاطہ بہت ہی وسیع اور کھلا تھا۔ مجھے ضرورت نہیں کہ مین اسکی آرایش اور تیاری کا لمبا ذکر کرون۔ اس لئے کہ خوش قسمتی سے یہ خدمت میرے ہی سپرد تھی۔ تاہم مین مطمئن ہون۔ کہ خدمت کے سر انجام دینے مین مجھے کامیابی ہوئی ہے۔ ہان مین یہ کہنا ضروری سمجھتا ہون۔ کہ اس کیمپ کی درستی مین جناب ملک قادر بخش صاحب تحصیلدار بٹالہ نے پوری مدد دی اور جس محنت اور جانکشی سے انہون نے اس موقع پر اپنے فرض کو ادا کیا وہ اسی ایک بات سے ظاہر ہے کہ بٹالہ کی تحصیل کے تین مقامات متواتر تھے جس مین اسقدر بڑے ڈیرے کا انتظام اور اہتمام معمولی بات نہیں۔ مگر انہون

نے کمال تندہی اور جفاکشی سے اپنے فرض کو انجام دیا اور اس دورہ کے ختم کے ساتھ ہی ٹیکا طاعون کے لئے پھر انہیں دورہ پر نکلنا پڑا میں یقین کرتا ہوں۔ کہ صوبہ پنجاب کا ایک وقیع عہدہ دار جو گورنمنٹ پنجاب کے بعد دوسرے ہی نمبر پر ہے۔ تحصیلدار صاحب کی ان خدمات کو قابل قدر نظر سے دیکھے گا۔

بہرحال کیمپ تیار کیا گیا۔ صاحبان ممدوح کے گذرنے کے لئے ایک سڑک بنائی گئی اور داخلہ کیلئے ایک شاندار دروازہ تیار کرایا گیا جس کے سنہری حروف اپنے معزز مہمان کو خیر مقدم کہتے تھے۔

صاحبان ممدوح ۲۱ مارچ کو گیارہ بجے کے قریب قادیان میں داخل ہوئے۔ قادیان کی سرحد پہ حضرت اقدس علیہ السلام کے بڑے صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور صدر انجمن احمدیہ کے واجب احترام سکرٹری خواجہ کمال الدین صاحب اور خواجہ جمال الدین صاحب نے صاحبان ممدوح کا استقبال کیا اور کیمپ کے باہر مدرسہ تعلیم الاسلام کے طلباء نے سلام کیا۔ تعلیم الاسلام سکول کے طلباء یہاں دورویہ کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں تعلیم الاسلام کا جھنڈا ایک طرف صداقت اور وفاداری کا مضمون لئے ہوئے سکول موٹو دوسری طرف لہرا رہا تھا۔ صاحبان ممدوح نے ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ سے بعض ضروری امور دریافت کئے اور پھر طلباء کا سلام لیتے ہوئے ان کے حلقہ میں دروازہ تک پہونچے۔ جہاں صدر انجمن احمدیہ کے ممبروں نے آپ کا استقبال کیا حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ نے اپنی جماعت کے ان معزز اور سرگروہ ممبروں کو نام بنام پیش کیا۔ جو اس موقعہ پر حاضر تھے۔ اس تقریب پر ہولی کی تعطیلات کیوجہ سے بہت سے احباب قادیان میں موجود تھے۔ بہرحال صاحب ممدوح اس جماعت کو ملکر اس موقعہ پر بہت خوش ہوئے۔ اسی موقعہ پہ سلسلہ کلام میں خواجہ صاحب نے اپنے معزز مہمان کو حضرت مسیح موعود ایسے جلیل الشان میزبان کیطرف سے شام کی دعوت کا پیغام پیش کیا۔

جس کا جواب بعد میں دینے کے وعدہ پر صاحب ممدوح اپنے کیمپ میں تشریف لے گئے اور جماعت کے منتخب افراد جناب صاحب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر سے ان کے کیمپ میں ملے۔ مسٹر سی ایم کنگ کے متعلق مجھے کچھ کہنے کی حاجت نہیں وہ ضلع بڑا خوش قسمت ہے۔ جہاں مسٹر کنگ سا ڈپٹی کمشنر ہو۔ آپ نہایت اخلاق سے پیش آئے اور ہمارے معروضات کو نہایت توجہ سے سنا۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے معائنہ مدرسہ کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ ایڈیٹر الحکم اور جناب شیخ رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ابھی کیمپ ہی میں موجود تھے۔ جو انہیں اطلاع ملی۔ چنانچہ وہ صاحب ممدوح کے ساتھ مدرسہ تعلیم الاسلام کو آگئے۔

دروازہ پر ٹرسٹیاں مدرسہ اور قوم کے معزز افراد نے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کا استقبال کیا صاحب ڈپٹی کمشنر ہر ایک سے نہایت محبت سے ملے اور مدرسہ کے تمام ممبروں اور جماعتوں اور صیغوں کو نہایت توجہ اور دلچسپی سے دیکھا اور اظہار مسرت فرمایا۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کی نئی عمارت کا نقشہ بھی ملاحظہ فرمایا۔ اور پھر مدرسہ کی رائے بک اپنی رائے لکھنے کے لئے مانگی اور پچھلے افسروں کے معائنوں کو پڑھا۔ ان تمام امور کے بعد صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے جناب فنانشل کمشنر صاحب کیطرف سے قبول دعوت کا شکریہ کے ساتھ پیغام دیا جس پر صاحبان ممدوح کا شکریہ انجمن کیطرف سے کیا گیا۔ چنانچہ شام کی دعوت صاحبان ممدوح کو حضرت مسیح موعود کی طرف سے دی گئی۔ اگرچہ یہ معمولی باتیں ہیں مگر میں یہاں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ کہ گورنمنٹ انگلشیہ کے معزز اور وقیع ارکان ہر موقعہ پر ان افراد اور خاندان کی عزت افزائی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ جو اسکے ساتھ دوستانہ اور وفادارانہ تعلقات رکھتے ہیں حضرت مرزا صاحب کے والد بزرگوار کے زمانہ میں جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں گورنمنٹ کے بڑے بڑے عہدہ داران کے مکان پر بلاتکلف آتے اور دعوت کھاتے تھے اس موقعہ پر سلسلہ عالیہ احمدیہ کے امام اور پیشوا کی دعوت کو قبول کر کے ان معزز عہدہ داران نے سلسلہ احمدیہ کے افراد کے دلوں میں گورنمنٹ کی سچی خیرخواہی کے خیالات کو بیش از پیش بڑھا دیا ہے۔

اس تقریب دورہ پر سب سے بڑی اور اہم بات حضرت مرزا صاحب کی ملاقات ہے۔

بعض نادانوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ حضرت اقدس سرکاری عہدہ داروں سے ملتے نہیں۔ حالانکہ یہ امر محض افترا پر مبنی ہے۔ جو شخص اپنے سلسلہ کے اغراض اور تعلیم میں گورنمنٹ کی خیرخواہی اور اطاعت کا سبق دیتا ہے۔ تو اسے اگر کسی عہدہ دار سے ملنے کا موقع پیش آوے تو اسے کب انکار ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں اسے تو خدا تعالیٰ کیطرف سے حکم ہے۔ کہ لوگوں کی ملاقات سے تھکنا نہیں پھر وہ تو کسی کے ملنے سے بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں چونکہ زمانہ کے اہل دنیاداروں اور خوشامدیوں کیطرح وہ کسی سے نہیں ملتے جن کی غرض صرف کسی خطاب کی خواہش یا اور مطالب کا حصول ہوتا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب اپنی خدمات ان اغراض کے لئے نہیں کر رہے ہیں اس لئے انہیں جبکہ اس قسم کے اغراض سے خدا تعالیٰ نے بالاتر فرمایا ہے اور آپ کے قلب پر ان امور کا اثر ہی نہیں۔ تو وہ اس خیال اور رنگ میں رنگین کیوں ہوں۔ بہرحال اثنائے گفتگو میں جبکہ فنانشل کمشنر صاحب بہادر نے حضرت مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے خوشی کا اظہار فرمایا۔ تو قرارداد کے موافق شام کو پانچ بجے آپ کیمپ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت نظارہ عجیب تھا۔ کیمپ کے اردگرد مخلوق خدا کا ایک تانتا تھا حضرت مرزا صاحب معہ چند خدام کے صاحب فنانشل کمشنر صاحب بہادر کے کمرہ ملاقات میں وقت مقررہ پر پہونچے۔ فنانشل کمشنر صاحب بہادر نہایت اخلاق اور اکرام کے ساتھ حضرت مرزا صاحب کو اپنے خیمہ کے دروازہ پر سے لے اور بڑے احترام کے ساتھ جو دونوں ملنے والوں کی شان کے شایان تھا پیش آئے حضرت اقدس اور احباب کرسیوں پر بیٹھ گئے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر بھی موجود تھے۔ مہمان اور میزبان میں نہایت مسرت کے ساتھ سلسلہ کلام شروع ہوا۔ حضرت مرزا صاحب پون گھنٹہ تک مناسب وقت اپنے سلسلہ کے اغراض اور مقاصد اور اپنے تعلقات گورنمنٹ پر گفتگو فرماتے رہے۔ مجھے یقین ہے کہ فنانشل کمشنر صاحب بہادر کے لئے یہ پہلا موقعہ ہوگا۔ کہ کوئی بالکل بے غرض انسان ان سے ملا ہے۔ آخر میں صاحب فنانشل کمشنر صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی ملاقات پر بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا۔ ازاں بعد حضرت مرزا صاحب واپس تشریف لے آئے اور صاحب ممدوح نے - اپنے اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیا۔ اور بتایا کہ باوجود ایسے معزز رتبہ اور عہدہ کے بھی وہ قابل عزت انسانوں کی تکریم کرتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے کہ وہ دیسی شرفا سے نفرت کرتے ہیں۔ آخر میں میں جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی رائے متعلق مدرسہ درج کرتا ہوں اور ساتھ ہی اس خیر مقدم کو درج کر دیتا ہوں جو اس تقریب پر میں نے شائع کیا تھا۔

رائے۔

آج اس مدرسہ کے معائنہ کے لئے جا کر مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس انسٹیٹیوشن کے معتمدین تعلیم میں حقیقی دلچسپی سے کام لیتے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں۔ کہ انکی قابل تعریف کوششیں ضلع کے اس حصہ میں تعلیم پھیلانے میں کامیابی حاصل کریں گی قصبہ کے باہر ایک معقول قطعہ زمین مدرسہ کیواسطے خریدا گیا ہے جو نقشہ میں نے دیکھا ہے۔ وہ امید دلاتا ہے۔ کہ اس جگہ پر بہت خوبصورت عمارت تعمیر ہو جائیگی۔

دستخط۔ سی ایم کنگ ڈپٹی کمشنر کیمپ قادیان۔ ۲۱ مارچ ۱۹۰۸ء

خاص پرچہ الحکم

جو بہ تقریب تشریف آوری عالیجناب فنانشل کمشنر صاحب بہادر پنجاب و جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور و جناب مہتمم بندوبست صاحب بہادر ضلع گورداسپور شائع ہوا۔

خیر مقدم

اے آمدنت باعث آبادی ما ✝ ذکر تو بود زمزمہ شادی ما

ہیچمیز ایڈیٹر الحکم سلسلہ عالیہ احمدیہ کیطرف سے وفاداری اور اخلاص کے جوش کے ساتھ جو اس سلسلہ کو گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ بباعث اسکے احسانات عظیمہ کے رجو تمام مسلمانوں پر عموماً اور ہم احمدیوں پر خصوصاً ہیں افسران ذی وقار مندرجہ بالا کو قادیان کے مقام پر تشریف آوری کیلئے - **ویلکم** - کہتا ہے اور دعا کرتا ہے۔ کہ ہمیں گورنمنٹ برطانیہ کے سایہ عاطفت میں اپنے سید و مقتدا امام ہمام حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ہدایتوں کے موافق اپنی محسن گورنمنٹ کی دلی شکرگزاری کے ایسے موقعے ملتے رہیں امید ہے۔ صاحبان ممدوح اس ہیچمیز کی صدا

کلمات طیبات حضرت امام الزمان سلمہ الرحمن

(۲۴ مارچ ۱۹۰۸ء بوقت سیر)

حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب جو کسی کار ضروری کے واسطے حضرت اقدسؑ کی اجازت سے امروہہ تشریف لے گئے ہوئے تھے بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی حضور کانے دجال نے بڑا دجل کر رکھا ہے اور بعض جاہل اور بے علم لوگ اس کے اس دھوکے میں آئے ہوئے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب میں ۲۵ یا ۲۶ دفعہ چاند اور سورج گرہن رمضان میں ہونیکا ثبوت دیا ہے۔

اس پر

فرمایا کہ ہم نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا کہ پہلے بھی رمضان میں کبھی کسوف خسوف ہوا ہو۔ بلکہ ہم تو نظام شمسی کے قائل ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ کبھی پہلے بھی ایسا واقعہ ہو گیا ہو۔ ہمارا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ جن شرایط اور لوازم کا ذکر حدیث دارقطنی میں درج ہے ایسا آج سے پہلے کبھی واقع نہیں ہوا۔ مثلاً اس حدیث میں صاف تاریخ مقرر کیگئی ہے کہ چاند گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے اول تاریخ میں اور سورج گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے ان کے نصف میں یعنے تیرہویں چاند اور اٹھائیسویں کو سورج گرہن ہوگا۔ اور اس وقت پہلے سے ایک مدعی مہدویت کا دعویٰ موجود ہوگا۔ نہ کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کو دیکھکر دعویٰ کرے گا۔ بلکہ وہ پہلے ہی سے دعویٰ موجود ہوگا اور اسکی تائید اور نصرت کے واسطے آسمان پر اسطرح سے چاند اور سورج گرہن ہوگا۔ اور علاوہ ازیں اور اور نشانات زمینی و آسمانی اور دلایل و براہین سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کرتا ہوگا۔ اور اس کا دعویٰ خوب طرح سے شہرت پاکر دور دور اطراف میں مشہور ہو گیا ہوگا۔

پس کیا عبدالحکیم نے ایسا ہی ثبوت دیا ہے کہ وہ پہلے گرہن جو رمضان میں واقع ہوئے تھے ان میں سے کوئی ان شرایط و لوازم اور قید تاریخ سے بھی واقع ہوا تھا اور کیا اس وقت پہلے اس کے کہ وہ اسطرح کا موعود کسوف خسوف ظہور میں آوے کوئی مدعی مہدویت اور مسیحیت موجود تھا جس نے اپنے دعویٰ کو عام کتب کے ذریعہ سے شایع بھی کیا ہو۔ اور اس کا دعویٰ دنیا میں شہرت یافتہ ہو۔ اور پھر اس کے ساتھ کوئی آسمانی یا زمینی نشان اور تائیدات بھی موجود ہوں یا قرآن و حدیث سے مبرہن کیا گیا ہو۔ ہمارا اسطرح تو ان شرایط اور لوازم کے ساتھ کسوف خسوف ثابت کر نہیں سکتا ہے۔

دیکھو اس واقعہ کا بیان تو انگریزی اخبارات سول ملٹری اور پایونیر وغیرہ نے بھی کر دیا تھا کہ اس ہیئت کذائی سے اس سے پہلے کبھی کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔

اس سے بڑھکر دجل اور بے ایمانی اور کیا ہوگی کہ سب لوازم کو ترک کر کے صرف ایک بات کو ہاتھ میں لیکر اعتراض کر دینا۔ دکھانا تو یہ چاہیے تھا کہ ایسا نشان ظاہر ہو نیسے پہلے کہ وہ مقررہ تاریخوں میں ظاہر ہوا ہو کوئی مدعی بھی موجود ہو۔ پھر اس نے دعویٰ بھی کیا ہو۔ اس دعوے کی اشاعت بھی کی ہو۔ اور اس کو آیات و نشانات ارضی و سماوی اور دلایل قاطعہ سے مبرہن بھی کیا ہو۔

یونہی زبان اعتراض ہلا دینے سے کیا ہوتا ہے۔ اس طرح سے تو تمام نبوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

اسجگہ ہم ناظرین کو اس انعامی مضمون کیطرف توجہ دلاتے ہیں جو الحکم مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں خاں صاحب اکبر شاہ خاں احمدی نجیب آبادی کیطرف سے ایک ماہ میں جواب دینے کے واسطے مبلغ ایک سو اسی روپیہ انعام کے وعدہ پر شایع کیا گیا تھا۔ بلکہ راقم مضمون اب بھی موقع دیتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب ہمت اس انعام کو حاصل کرنا چاہیں تو پھر ایک ماہ کی اور میعاد دیجاتی ہے۔ جو کانا دجال یا اس کا کوئی اور ہم خیال یا حمایتی اب ہی طبع آزمائی کر کے اس انعام کو حاصل کر لیں۔ ہم خرما و ہم ثواب +

مولوی عبداللہ خاں صاحب پٹیالوی نے عرض کیا کہ حضور تمام جماعت پٹیالہ نے بڑا شکر کیا تھا جس دن یہ شخص جماعت میں سے خارج کیا گیا تھا۔ وہ بارہا مجھ سے یوں مخاطب ہوا کرتا تھا کہ مولوی صاحب جب کونین میں فی ذاتی خاصیت شفا کی موجود ہے تو کیا ضرورت ہے کہ عبدالحکیم کو ڈاکٹر مانتے ہی سے کونین شفا دے۔

اسطرح سے جب توحید الٰہی پر ایمان لانے کا نتیجہ نجات ہے تو کیا ضرورت ہے کہ ہم محمدؐ کو نبی مانیں۔ بلکہ جسطرح سے کونین بغیر اس کے بھی کہ کسی زید و بکر کو ڈاکٹر تسلیم کیا جاوے نفع پہونچاتی ہے اسی طرح توحید بھی اپنے نفع پہنچانے اور نجات دلانے کے لئے کسی کے رسول اور نبی ماننے کی محتاج نہیں۔

فرمایا۔ ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ بجائے اس کے کہ نعوذ باللہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض سنیں۔ اور ایمان لانے کی ضرورت نہ سمجھیں ہم سوال میں کیوں عبدالحکیم ہی کو جماعت سے خارج نہ کر دیں۔

۲۵ مارچ ۱۹۰۸ء بوقت سیر

جناب خلیفہ ڈاکٹر رشید الدین صاحب اسسٹنٹ سرجن فرخ آباد کے گذشتہ نوابی حالات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تباہی اور بربادی اور ان کے محلات کے کھنڈرات بنائے جانے کے متعلق ذکر کرتے تھے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ پہلے بادشاہوں کے زمانہ میں یہ قاعدہ ہوتا تھا کہ ان کے درباروں میں کوئی نہ کوئی اہل اللہ بھی موجود ہوا کرتے تھے جنکی صلاح مشوروں سے بادشاہ کام کیا کرتے تھے اور ان کی دعاؤں سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ مگر اب وہ حال نہیں رہا۔ بلکہ ان مسلمانوں کا بھی بنی اسرائیل والا حال ہو گیا۔ ان کو بھی خدا نے بوجہ ان کی بدکاریوں کے چھوڑ دیا تھا اور کوئی نصرت انکی نہیں ہوتی تھی۔ وہی حال اب بھی ہو رہا ہے۔ اسلام کی نصرت اور مدد کا خدا نے خود وعدہ کیا ہے مگر کوئی مسلمان بھی ہو۔ مسلمان تو خود ہی مورد قہر و عذاب الٰہی ہو رہے ہیں انکی نصرت کیسے ہو۔

یہ چند ہندوستانی مسلمانوں کی ریاستیں جو خدا کے قہر کا نشانہ بنیں اگر یہ کچھ بھی نیک طینت ہوتے تو خدا ضرور ان کو محفوظ رکھتا اور انکی نصرت کرتا۔ یہ عذاب اور تنزل جو ان کو نصیب ہوا یہ انکی اپنی ہی بدعملیوں کا باعث تھا۔

دیکھو بنی اسرائیل کو خود حضرت موسیٰؑ کے ہوتے ہوئے شکست ہوئی تھی۔ اسمیں یہی وجہ تھی کہ انکی حالت خود جاذب نصرت نہیں تھی۔ بلکہ حضرت موسیٰؑ نے انکو کہدیا تھا اس وقت مقابلہ مت کرو۔ موقع مناسب نہیں اور نہ ہی وہ وقت آیا ہے کہ تمہاری نصرت ہو +

صلاح الدین ایک نیک بخت شخص تھا۔ نماز وں کا بھی پابند تھا چنانچہ خدا تعالیٰ نے بھی انکی تائید کی اور سخت سے سخت مشکلات اور مخالفوں کے حملوں میں انکو فتح نصیب کی۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم بگڑ جاتی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دنیا کیطرف جھک جاتی ہے اور بدکاریوں اور فسق و فجور میں غرق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم کو خود اپنے ارادہ سے اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

ایک دوست نے خط کے ذریعہ اس امر کا استفسار کیا کہ میری والدہ میری بیوی سے ناراض ہے اور مجھے طلاق کے واسطے حکم دیتی ہے۔ مگر مجھے بیوی سے کوئی رنجش نہیں ہے میرے لئے کیا حکم ہے

فرمایا کہ والدہ کا حق بہت بڑا ہے اور اسکی اطاعت فرض مگر پہلے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ آیا اس ناراضگی کی تہ میں کوئی اور بات تو نہیں ہے جو خدا کے حکم کے بموجب والدہ کی کسی اطاعت سے بری الذمہ کرتی ہو مثلاً اگر والدہ اس سے کسی دینی وجہ سے ناراض ہو یا نماز روزہ کی پابندی کیوجہ سے ایسا کرتی ہو تو اس کا حکم ماننے اور اطاعت کرنیکی ضرورت نہیں اور اگر کوئی ایسا مشروع امر ممنوع نہیں ہے جب تو وہ خود واجب الطلاق ہے۔

اصل میں بعض عورتیں محض شرارت کیوجہ سے ساس کو دکھ دیتی ہیں۔ گالیاں دیتی ہیں۔ ستاتی ہیں۔ بات بات میں اس کو تنگ کرتی ہیں۔ والدہ کی ناراضگی بیٹے کی بیوی پر بے وجہ نہیں ہوا کرتی۔ سب سے زیادہ خواہشمند بیٹے کے گھر کی آبادی کی والدہ ہوتی ہے۔ اور اس معاملہ میں ماں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ بڑے شوق سے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے خدا خدا کر کے بیٹے کی شادی کرتی ہے تو بھلا اس سے ایسی امید وہم میں بھی آسکتی ہے کہ وہ بیجا طور پر اپنے بیٹے کی بہو سے لڑے جھگڑے اور خانہ بربادی چاہے ایسے لڑائی جھگڑوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ والدہ ہی حق بجانب ہوتی ہے۔

ایسے بیٹے کی بھی نادانی اور حماقت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ والدہ تو ناراض ہے مگر میں ناراض نہیں ہوں۔ جب اسکی والدہ ناراض ہے تو وہ کیوں ایسی بے ادبی کے الفاظ بولتا ہے کہ میں ناراض نہیں ہوں۔

یہ کوئی سوکنوں کا معاملہ تو ہے نہیں۔ والدہ اور بیوی کے معاملہ میں اگر کوئی دینی وجہ نہیں تو پھر کیوں یہ ایسی بے ادبی کرتا ہے۔ اگر کوئی وجہ اور باعث اور ہے تو فوراً اسے دور کرنا چاہئے۔ خرچ وغیرہ کے معاملہ میں اگر والدہ ناراض ہے اور یہ بیوی کے ہاتھ میں خرچ دیتا ہے تو لازم ہے کہ ماں کے ذریعہ سے خرچ کراوے۔ اور کل انتظام والدہ کے ہاتھ میں دے۔ والدہ کو بیوی کا محتاج اور دست نگر نہ کرے۔

بعض عورتیں اوپر سے نرم معلوم ہوتی ہیں مگر اندر ہی اندر وہ بڑی بڑی نیش زنیاں کرتی ہیں۔ پس سبب کو دور کرنا چاہئے۔ اور جو وجہ ناراضگی ہے اس کو ہٹا دینا چاہئے + اور والدہ کو خوش کرنا چاہئے۔

دیکھو شیر اور بھیڑیے اور اور درندے بھی تو ہلانے سے ہل جاتے ہیں اور بے ضرر ہو جاتے ہیں۔ دشمن سے بھی دوستی ہو جاتی ہے اگر صلح کیجاوے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ والدہ کو ناراض رکھا جاوے۔

فرمایا کہ ایک شخص کی دو بیویاں تھیں بیویوں میں باہمی نزاع ہو جانے پر ایک بیوی خود بخود بلا اجازت اپنے گھر پہلے چلی گئی۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں طلاق دیدوں۔ میں نے سوچا کہ یہ معاملات بہت باریک ہوتے ہیں۔ سوکن کو بڑی بڑی تلخیاں اٹھانی پڑتی ہیں اور بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض عورتیں اپنی مشکلات کیوجہ سے خودکشی کر لیتی ہیں۔ جیسے دیوانہ آدمی مرفوع القلم ہوتا ہے اسیطرح سے یہ بھی ایسے معاملات کیوجہ سے مرفوع القلم اور واجب الرحم ہوتی ہیں کیونکہ سوکن کی مشکلات ہی دیوانگی کی حد تک پہونچا دیتے ہیں۔

اصل بات یہ تھی کہ وہ شخص خود ہی دوسری بیوی کیطرف زیادہ التفات کرتا تھا اور وہ بیوی ہی اس بیچاری کو سخت ہی تنگ کرتی تھی آخر مجبور ہو کر اور ان مشکلات کی برداشت نہ کر کے چلی گئی۔ چنانچہ اس شخص نے خود اقرار کیا کہ واقعی یہی بات تھی اور اپنے ارادہ سے باز آیا۔

ایسے قصوروں کو تو خود خدا بھی معاف کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے لا تحملنا ما لا طاقة لنا به جو امر فوق الطاقت اور ناقابل برداشت ہو جاوے اس سے خدا بھی درگذر کرتا ہے۔

دیکھو حضرت ہاجرہ رضی کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ جو کہ نبیّین کی دادی تھی پہلی مرتبہ جب وہ نکالی گئی تو فرشتہ نے اسے آواز دی اور بڑی تسلی دی۔ اور اس سے اچھا سلوک کیا مگر جب دوسری مرتبہ نکالی گئی تو سوکن نے کہا کہ اس کو ایسی جگہ چھوڑ دو جہاں نہ دانہ ہو نہ پانی۔ اسکی غرض یہی تھی کہ وہ اس طرح سے ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو جاوے گی۔ اور حضرت ابراہیم کا ایسا منشا نہ تھا مگر خدا نے حضرت ابراہیم کو کہا کہ اچھا جسطرح یہ کہتی ہے اسیطرح کیا جاوے۔ اور سارہ کی بات کو مان لے۔

اصل میں بات یہ تھی کہ خدا کا منشا قدرت نمائی کا تھا۔ توریت میں یہ قصہ مفصل لکھا ہے۔ بچہ جب بوجہ شدت پیاس رونے لگا تو بیوی ہاجرہ رضی بیتابی سے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر گھبراہٹ سے دوڑتی بھاگتی پھرتی رہی۔ مگر جب دیکھا کہ اب بچہ نہیں بچتا تو ایک جگہ جا کر بیٹھ گئی اور دعا کرنے لگ گئی کیونکہ اسکی موت کو دیکھ نہ سکتی تھی۔ اسی اثنا میں غیب سے آواز آئی کہ ہاجرہ۔ ہاجرہ۔ لڑکے کی خبر لے وہ جیتا ہے۔ آکر دیکھا تو لڑکا جیتا تھا۔ اور پانی کا چشمہ جاری تھا۔ مطلب وہی کنواں ہے جس کا پانی ساری دنیا میں پہونچتا ہے اور بڑی حفاظت اور تعظیم اور شوق سے پیا جاتا ہے۔

غرض یہ سارا معاملہ ہی سوکنوں کے باہمی حسد و ضد کیوجہ سے تھا۔

فرمایا خدا کا نام ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہی ظاہر ہے اور کوئی ظاہر نہیں۔ خدا کا ظہور دنیا میں انبیاء کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ انبیاء کا وجود خدا کے ظہور کا باعث ہوتا ہے۔ انبیاء کے آنے سے پہلے خدا مخفی ہوتا ہے۔ لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں۔ اور زبان حال سے دنیا بول اٹھتی ہے کہ گویا خدا ہے ہی نہیں۔ انبیاء آکر دنیا کو خواب غفلت سے جگاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اسیواسطے انبیاء خدا نما کہلاتے ہیں۔ وہ خود فنا ہو جاتے ہیں جب خدا کا ظہور ہوتا ہے۔ دیکھو جب تک انسان اپنے نفسانی جذبات اور خودی سے فنا نہ ہو جاوے جب تک خواہ الہام بھی ہو اور کشوف بھی دکھائے جاویں مگر کسی کام کے نہیں ہیں کیونکہ بجز اس کے کہ خدا ہی اپنے آپ کو ظاہر کر دیا جاوے یہ امور عارضی ہوتے ہیں اور دیرپا نہیں ہوتے اور انکی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

دعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے کہ انسان جب تک اپنی خواہشات، ارادوں اور ملموں کو ترک کر کے خدا میں فنا نہ ہو جاوے اور خدا کی قدرت کاملہ اور قادر مطلق ہونے اور سننے اور قبول کرنیوالا ہونے پر یقین کامل اور پورا وثوق نہ رکھتا ہو جب تک دعا بھی ایک بے حقیقت چیز ہے۔ فلسفیوں کو کیوں قبولیت دعا پر ایمان نہیں ہوتا اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو خدا کی وسیع قدرت اور باریک باریک سامانوں کے پیدا کر دینے والا ہونے پر ایمان نہیں ہوتا۔ اور وہ خدا کی قدرت کو محدود جانتے ہیں۔ اور اپنے تجارب اور علوم پر بھی بھروسہ کر بیٹھتے ہیں۔ ان کو اپنے تجارب کے مقابلہ میں یہ خیال ہی نہیں ہوتا کہ خدا بھی ہے اور وہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے بعض اوقات بعض سخت سخت مہلک امراض میں وہ لوگ یقینی اور قطعی حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ شخص بچ نہیں سکتا۔ یا اتنے عرصے میں مر جاوے گا۔ یا اس طرح سے مرے گا۔

مگر بیسیوں مثالیں ایسی خود ہماری چشم دید ہیں اور بعض کو ہم جانتے ہیں جن میں بارہا وہاں کے یقینی اور قطعی حکم لگا دینے کے خدا تعالیٰ نے ان بیماروں کے واسطے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ وہ آخر کار بچ گئے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض وہ بیمار جن کے حق میں یہ لوگ موت کا قطعی اور اٹل فتوے دے چکے تھے زندہ سلامت ہو گئے اور کسی دوسرے موقعہ پر ان کو مل کر شرمندہ کیا۔ اور ان کے علم و دعویٰ کو بھی شرمندہ کیا ہے۔

حدیث میں آیا ہے ما من داء الا وله دواء۔ ایک مشہور ڈاکٹر کا بھی قول یاد ہے وہ کہتا ہے کہ کوئی مرض بھی ناقابل علاج نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہماری سمجھ اور عقل و علم کا نقص ہے کہ ہمارے علم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرض کیواسطے بعض ایسے ایسے اسباب پیدا کئے ہوں جن سے وہ شخص جس کو ہم ناقابل علاج یقین خیال کرتے ہیں قابل علاج اور صحت یاب ہو کر تندرست ہو جاوے۔ پس قطعی حکم ہرگز نہ لگانا چاہئے۔ بلکہ اگر رائے ظاہر ہی کرنی ہو تو یوں کہدو کہ ہمیں ایسا شک پڑتا ہے مگر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسے سامان پیدا کر دے کہ جن سے کہ یہ روک اٹھ جاوے اور بیمار اچھا ہو جاوے۔ دعا ایک ایسا ہتھیار خدا نے بنایا ہے کہ ان ہونے کام بھی جنکو انسان ناممکن خیال کرتا ہے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ خدا کے لئے کوئی بات بھی ان ہونی نہیں +

خطبہ جمعہ

از حضرت حکیم الامت رضی اللہ تعالےٰ عنہ

۲۰ / مارچ ۱۹۰۸ء

اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ اما بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا۔ کذالک یبین اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تہتدون۔

قرآن کریم کی ان آیات مین اصل الاصول اس آخری فیضان کا جو آخری حد اور کمال پر پہنچا ہوا ہو۔ بیان کیا گیا ہے۔ نیکی کا نتیجہ خدا کا فیضان ہوتا ہے۔ سو ان آیات مین نیکی اور پھر اس کے فیضان کے اصل الاصول کا بیان ہے۔

اللہ تعالےٰ ایمان اور پھر ایمان کے بابرکت بنانے کے واسطے انسان کو یون خطاب کرتا ہے۔ کہ تقویٰ کرو۔ اور تقوےٰ بھی ایسا کہ جو حق تقوےٰ ہو۔ اور مومن منتہی بن جاؤ۔

ایمان اور تقوےٰ کی سچی بنا اور اصلی جڑ عقاید صحیحہ ہین۔ سو انسان کا فرض ہے کہ تکمیل ایمان اور تقوےٰ کے لئے ان عقاید صحیحہ کی تلاش اور جستجو کرے۔ اور وہ بھی اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف کی ایک آیت مین بیان فرمائے ہین جہان فرمایا ہے۔ لیس البر ان تولوا وجوہکم قبل المشرق والمغرب الخ ۲ سپارہ رکوع ۶۔ تقوےٰ کی جڑ اور بنیاد سچے عقاید ہیں۔ اور ان کی جڑ کی بھی جڑ کیا ہے۔ اٰمن باللہ۔ اللہ تعالےٰ پر ایمان لانا۔ کہ وہ ہر بدی سے منزہ اور کل صفات کاملہ کا مالک۔ اور حقیقۃً وہی معبود مقصود اور مطلوب ہے۔ اس کے اسماء۔ افعال۔ اور صفات پر کامل ایمان لانا۔ اور کہ وہ نیکی سے خوش اور بدی سے ناراض ہو کر نیکی کی عوض انعامات اور بدیون پر سزا دینے والا اور قادر مقتدر ہستی ہے۔ وہ رب ہے۔ رحمٰن ہے رحیم ہے۔ مالک یوم الدین ہے۔ غرض انسان اس طرح سے جب حقیقی طور سے اللہ کے صفات سے آگاہی حاصل کرکے ان پر کامل ایمان لاتا ہے تو پھر ہر بدی سے بچنے کے واسطے اس کو جناب الٰہی سے ایک راہ عطا کی جاتی ہے جس سے بدیون سے بچ جاتا ہے۔ فطرت انسانی مین یہ امر روز ازل سے ودیعت کر دیا گیا ہے کہ انسان جس چیز کو اپنے واسطے یقیناً مضر جانتا ہے اس کے نزدیک تک نہین جاتا بھلا کبھی کسی نے کسی سلیم الفطرت انسان کو کبھی جان بوجھ کر آگ مین ہاتھ ڈالتے یا آگ کے انگارے کھاتے ہوئے دیکھا ہے؟ یا کوئی شخص اس حالت مین کہ اس کو اس امر کا وہم ہی ہو۔ کہ اس کے کھانے مین زہر کی آمیزش ہے۔ اس کھانے کو کھاتے دیکھا ہے؟ یا کبھی کسی نے ایک کالے سانپ کو حالانکہ وہ جانتا ہو۔ کہ اس کے دانت نہین توڑے گئے اور اس مین زہر اور کاٹنے کی طاقت موجود ہے۔ کسی کو ہاتھ مین بے خوف پکڑنے کی جرأت کرتے دیکھا ہے؟ یاد رکھو کہ اس کا جواب نفی مین ہی دیا جائیگا۔ کیونکہ یہ امر فطرت انسانی مین مرکوز ہے۔ کہ جس چیز کو یہ ضرر رسان یقین کرتا ہے اس کے نزدیک نہین جاتا۔ اور حتی الوسع اس سے بچتا رہتا ہے۔ تو پھر غور کا مقام ہے۔ کہ جب انسان خدا پر کامل یقین رکھتا ہو۔ اور اس کے صفات سے خوب آگاہ ہو — اور یہ بھی یقین رکھتا ہو۔ کہ خدا نیکی سے خوش اور بدی سے ناراض ہوتا ہے اور سخت سے سخت سزا دینے پر قادر ہے۔ اور سزا دیتا ہے۔ اور یہ کہ گناہ حقیقت مین ایک زہر ہے۔ اور خدا کی نافرمانی ایک بھسم کر دینے والی آگ ہے۔ اور اس کو آگ کے جلانے پر۔ اور نہ زہر کے ہلاک کر دینے پر۔ اور سانپ کے کاٹنے سے مر جانے پر جیسا ایمان ہے۔ اگر ایسا ہی ایمان خدا کی نافرمانی اور گناہ کرنے پر خطرناک عذاب اور ہلاکت و عذاب کا یقین ہو۔ تو کیونکر گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ اور کیونکر خدا کی نافرمانی کے انگارے کھائے جا سکتے ہین۔ دیکھو انسان اپنے مربی۔ دوست یار۔ آشنا۔ اور کسی طاقتور با اختیار حاکم کے سامنے کسی بدی اور گناہ کا ارتکاب نہین کر سکتا۔ اور گناہ کرتا ہے تو چھپ کر کرتا ہے۔ کسی کے سامنے نہین کرتا۔ تو پھر اگر اس کو خدا پر اتنا ایمان ہو۔ کہ وہ غیب در غیب اور پوشیدہ در پوشیدہ انسانی اندرونہ اور وسوسون کو بھی جانتا ہے۔ اور یہ کہ کوئی بدی خواہ کسی اندھیری سے اندھیری کوٹھڑی مین جا کر کیا جاوے۔ اس سے پوشیدہ نہین ہے اور یہ کہ وہ انسان کا بڑا مربی۔ رب۔ محسن۔ اور احکم الحاکمین ہے۔ تو پھر انسان کیون گناہ کی جگر سوز آگ مین پڑ سکتا ہے +

پس ان باتون مین غور کرنے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ کہ انسان کو خدا اور اس کے صفات اور افعال اور علیم و خبیر اور ہر بات سے واقف ہونے اور قادر مقتدر اور منتقم شدید البطش ہونے پر ایمان نہین۔ ہر بدی خدا کے صفات سے غافل ہونے کی وجہ سے آتی ہے صفات الٰہی پر ایمان لانے کی کوشش کرو۔

انسان اگر خدا کے علیم و خبیر اور احکم الحاکمین ہونے پر ہی ایمان لاوے اور یقین جانے کہ مین اس کی نظر سے کسی وقت اور کسی جگہ بھی غائب نہین ہو سکتا تو پھر بدی کہان اور کیسے ممکن ہے۔ کہ سرزد ہو۔ غفلت کو چھوڑ دو۔ کیونکہ غفلت گناہون کی جڑ ہے۔ ورنہ اگر غفلت اور خدا کے صفات سے بے علمی اور بے ایمانی نہین۔ تو کیا وجہ ہے کہ خدا کو قادر مقتدر اور احکم الحاکمین علیم و خبیر اور اخذ شدید والامان کر اور یقین کرکے بھی اس سے گناہ سرزد ہوتے ہین۔ حالانکہ اپنے معمولی دوستون۔ آشناؤن حاکمون۔ اور شرفا کے سامنے جن کا نہ علم ایسا وسیع اور نہ ان کی طاقت اور حکومت خدا کے برابر ان کے سامنے بدی کا ارتکاب کرتے ہوئے رکتا ہے۔ اور خدا سے لاپرواہ ہے۔ اور اس کے سامنے گناہ . . . کئے جاتا ہے۔ اس کی اصل وجہ صرف ایمان کی کمی۔ اور صفات الٰہی سے غفلت اور لاعلمی ہے۔

پس یقین جانو کہ اللہ اور اس کے اسماء اور صفات پر ایمان لانے سے بہت بدیان دور ہو جاتی ہین۔ پھر انسان کی فطرت مین یہ بھی رکھا گیا ہے کہ انسان اپنی ہتک اور بے عزتی سے ڈرتا ہے اور جن باتون مین اسے اپنی بے عزتی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے پس غور کرنا چاہئے۔ کہ دنیا مین اس کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ زیادہ سے زیادہ اپنے گھر مین یا محلے مین یا گاؤن یا شہر مین یا اگر بہت ہی مشہور اور بہت بڑا آدمی ہے تو ملک مین بدنام ہو سکتا ہے۔ مگر قیامت کے دن جہان اولین و آخرین خدا کے کل انبیاء اولیا۔ صحابہ۔ اور تابعین اور کل صالح اور متقی مسلمان بزرگ۔ باپ دادا و پڑدادا وغیرہ اور مان بہن بیوی بچے غرض کل اقربا اور پھر خود ہمارے سرکار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم موجود ہون۔ تو ذرا اس نظارے کو آنکھون کے سامنے رکھ اس ہتک اور بے عزتی کا خیال تو کرو۔ اور اس نظارے کو ہمیشہ آنکھ کے سامنے رکھو۔ اور پھر دیکھو تو سہی کیا گناہ ہونا ممکن ہے۔ جب انسان ذرا سی بے عزتی اور معدود چند آدمیون مین ہتک کے باعث ہونے والے کامون سے پرہیز کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے۔ کہ کہین میری ہتک نہ ہو جاوے۔ تو پھر جسکو اس نظارے کا ایمان اور یقین ہو جس کا نام یوم الاخرۃ ہے تو بھلا اس سے بدی کہان سرزد ہو سکتی ہے۔ پس یوم الاخرۃ پر ایمان لانا بھی بدیون سے بچاتا ہے۔

تیسرا بڑا ذریعہ نیکی کے حصول و توفیق اور بدی سے بچنے کا ایمان بالملائکہ ہے۔ ہر نیکی کی تحریک ایک ملک کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس تحریک کو مان لینے سے اس ملک کو اس ماننے والے سے انس اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ تعلق گہرا ہو جاتا ہے اور اس طرح سے ملائکہ کے نزول تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس چاہیے کہ انسان کے دل میں جب کوئی نیکی کی تحریک پیدا ہو۔ فوراً اس کو مان لے اور اس کے مطابق عملدرآمد کرے اور اس پر اچھی طرح سے کاربند ہو جاوے۔ ورنہ اگر اس موقع کو ہاتھ سے دے دیگا۔ تو پچھتانا بے سود ہوگا بعض لوگ پچھتاتے ہیں۔ کہ فلاں وقت اور موقع کیسا اچھا تھا۔ یہ کام ہم نے کیوں اس وقت نہ کر لیا۔ پس نیکی کی تحریک کا موقع فرصت اور وقت مناسب اور نیک فال سمجھکر فوراً مان لینا چاہیے۔ اس طرح سے نیکی کی توفیق بڑہتی جاتی ہے۔ اور انسان بدیوں سے دور ہوتا جاتا ہے +

پھر اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی کامل رضامندی اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ صرف کتب الٰہیہ کی سچی پیروی کے سوا خدا کی رضامندی ممکن ہی نہیں۔ خدا کی پہچان اور اس کی ذات صفات اور اسماء کا پتہ خدا کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے بغیر لگ ہی نہیں سکتا۔ خدا کے اوامر و نواہی اور عبادت وفرمانبردار کے احکام معلوم کرنے کا ذریعہ کتب الٰہیہ ہی ہیں۔ جو خدا کے پاک رسولوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں +

غرض انسان کے عقاید درست ہوں تو فروعات خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ انسان کو لازم ہے۔ کہ اصل الاصول پر توجہ کرے فروعات تو ضمنی امور ہیں اور اصول کے ماتحت غور کر کے دیکھو۔ کہ بعض انجمن جس کمیٹی اور سوسائٹی نے صرف فروعات میں کوشش کی ہے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ دیکھو اگر جڑ ہی خشک ہو تو پتوں کو پانی میں تر کرنے سے کیا فائدہ جڑ سیراب ہونی چاہیے درخت مع اپنے تمام شاخوں اور پتوں کے خود بخود سرسبز و شاداب ہو جاوے گا اور ہرا بھرا نظر آنے لگے گا۔ ورنہ اگر جڑ ہی قائم نہیں تو پتوں اور شاخوں کو خواہ پانی میں ہی کیوں نہ رکھو وہ ہرگز ہرگز ہری بھری نہ ہوں گی۔ بلکہ دن بدن خشک ہوتی جاویں گی +

پس تم عقاید کی طرف توجہ کرو۔ دیکھو امام صاحب کے دل میں جماعت کی خیر خواہی اور بہتری کے ہزاروں ہزار خیالات بھرے ہیں۔ ساٹھ یا ستر کے قریب کتب موجود ہیں مگر سامنے جو بات پیش کی ہے۔ وہ صرف ایک مختصر اور پُر معانی چھوٹی سی بات ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھونگا۔ حضرت امام علیہ السلام نے بھی اسی قرآنی اصول کو ہاتھ میں رکھکر یہ مختصر سا فقرہ تمہارے سامنے رکھا ہے۔ اگر اصل قوی ہاتھ میں آجاوے تو فروعات خود سنور جاتے ہیں اور انسان ہر قسم کی نادانی۔ جہالت۔ گناہ۔ اور بدکاری سے مضائقہ کرنے لگ جاتا ہے۔ ہر کام میں سوچے گا۔ کہ آیا میں دین کو مقدم کر رہا ہوں یا دنیا کو۔ حکام کے سامنے۔ مقدمات میں۔ بڑے بڑے گھبرا دینے والے مصائب ہیں۔ شادی میں غم میں۔ رسم میں۔ رواج میں۔ خویش اقارب میں۔ دوستی میں دشمنی میں۔ لین دین میں غرض اپنے کل کاموں میں دیکھنا پڑے گا کہ آیا میں دنیا کو دین پر تو مقدم نہیں کر رہا۔ تو اس طرح سے ہر بدی دور ہو جاوے گی۔ اور دین مقدم ہو جاوے گا۔ جو سراسر رشد اور سرتاپا نور ہے +

ان مرسلوں کا قاعدہ ہوتا ہے۔ کہ بدی کے دنیا میں پھیلنے کے وقت ان کے اندر خدا کی طرف سے ایک ہمت۔ استقلال۔ توجہ۔ دعا۔ قول موجہ اور فیضان کے طلب کرنے کی کوشش اور تدبیر پیدا کر دی جاتی۔ اور مرض کے مناسب حال دوائی ان کو دی جاتی ہے +

آج کل دنیا کے کالج۔ انجمنیں۔ سوسائٹیاں کمیٹیاں انجمنیاں کمپنیاں غرض جسے دیکھو اسی کے اغراض و مقاصد حصول دنیا ہے۔ کسی طرح سے دنیوی ترقی ہو۔ کوئی ایسی راہ نکل آوے کہ دنیوی معراج نصیب ہو جاوے جسے دیکھو اسی دنیا کی دھن میں مصروف ہے طبیبوں کو دیکھو فلاسفروں کو دیکھو سب کی غرض و غایت یہی حصول دنیا ہے۔ بڑے بڑے امتحانوں کی شکل سے مشکل محنتیں اور کثیر سے کثیر اخراجات کیوں برداشت کئے جاتے ہیں۔ صرف اسی واسطے کہ کسی طرح سے دنیا نصیب ہو جاوے دیکھو اگر کسی کے چہرے پر ذرا سا نشان پہل بہری کا نمودار ہو جائے تو اس کے والدین خویش اقارب یا دوستوں کو کیسے کیسے فکر لگ جاتے ہیں علاج کے واسطے کہاں سے کہاں تک پہنچتے ہیں کتنا روپیہ خرچ کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ خرچ برداشت کرتے ہیں۔ وقت صرف کرتے ہیں مشکل سے مشکل تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ مگر کیوں صرف اس لئے کہ تا انہیں چندروزہ دنیوی زندگی میں تکلیف نہ ہو۔ لیکن اگر فکر نہیں اور بےفکری اور لاپرواہی ہے تو کس بات کی صرف دین کی۔ نہیں خرچ کرتے تو کس کے لئے دین کے لئے مرتد ہو جاوے۔ نماز نہ پڑھے۔ خدا سے غافل ہو جاوے تو اس کی پرواہ نہیں۔ چند روزہ زندگی کے واسطے تو اتنی فکر ہے۔ فکر نہیں تو کس کا لازوال اور ابدالآباد زندگی کا +

پس یہ زمانہ بلحاظ اپنی پُرفتن حالت کے اسی امر کا متقاضی تھا۔ کہ کوئی مرد خدا ایسا آتا جو دین کو مقدم کرنے کا عہد لیتا۔ اس مرض کی یہ دوا تھی۔ اور اس وقت کے مناسب حال یہی تعلیم ـ

میں نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ تم قرآن شریف بھی پڑھا کرو۔ آخر وہ بھی خدا کی ایک چٹھی ہے۔ تو جواب میں بلا تامل یوں کہا۔ کہ پھر کوئی نہایت اعلےٰ قسم کی عمدہ اور میری شان کے شایاں حمایل عطا کر دیجئے۔ جائے غور ہے کہ آخر اپنے دیگر ضروریات دنیوی کے واسطے بھی تو ہزاروں روپے خرچ کرتا تھا۔ اگر ایک یا دو روپے خرچ نہیں کر سکتا تھا۔ تو کس کے لئے؟ دین کے لئے +

غرض دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا ایک اصل ہے جو حضرت امام ؑ نے ہمارے ہاتھ میں دیا ہے۔ کام میں کاج میں۔ سونے میں جاگنے میں۔ کھانے میں پینے میں۔ لباس میں پوشاک میں۔ گھر میں باہر میں۔ عادات میں رسم و رواج میں۔ شغل میں۔ اور بیکاری میں۔ شادی میں غم میں لین دین میں۔ غرض اپنے کل کاروبار میں اس اصل کو نصب العین رکھو اور جانچتے رہو۔ کہ دنیا مقدم ہے یا کہ دین + پھر ولایت کا کونسا درجہ ہے جس کو تم حاصل نہیں کر سکتے +

دیکھو تم جو اس وقت اس جگہ موجود ہو۔ عمروں میں مختلف ہو۔ بلحاظ قوم کے آپس میں بڑے بڑے اختلاف ہیں۔ رسوم و رواج عادات۔ تعلیم و تربیت خیالات امنگیں بالکل مختلف ہیں۔ عزت اور مرتبوں کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ پھر باوجود ان اختلافات کے گرمی ہے! اور پھر قحط کی مصیبت ہے! ان سب کی مشکلات کے ہوتے ہوئے۔ پھر ایک بگل بجنے سے تم کیسے یکدم جمع ہو گئے ہو۔ ذرا اس میں غور تو کرو۔ اسی طرح سے واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا۔ اللہ تعالےٰ کی طرف جانے کے واسطے بھی اس طرح یکجا کوشش کرو + دعا کرو کہ باوجود ہر قسم کے اختلاف کے وحدت کی روح پھونکی جاوے۔ اور بغض کینے عداوتیں سب دور ہو کر باہمی محبت اور ملاپ پیدا ہو جاوے۔ طبیعت میں صبر اور استقلال نصیب ہو جاوے۔ سوزش اپنی اور خدا کی ذات پر دور ہو جاوے۔ مصائب اور شدائد میں خدا کے ساتھ صلح ہو جاوے۔ غرض دعاؤں سے کام لو اور وحدت مانگو۔ تا وحدت کے فیوض سے بھی مستفید ہو سکو + واذکروا اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم۔ دیکھو قادیان کی زبان۔ یہاں کا باس یہاں کا کوئی منظر یا کوئی فضا اس نواح کے لوگوں کے اخلاق و عادات یا رسم و رواج کچھ بھی ایسا دلچسپ

ہے جس سے لوگ اس طرح اس کے گرد جمع ہو کر اور دور سے اس طرح سمٹ آتے جیسے پروانے شمع پر۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ میری خیال میں تو یہی ایک **وادیٔ غیر ذی زرع** ہے۔ اُس **وادیٔ غیر ذی زرع** میں زبان کا کمال تو تہا۔ مگر یہاں تو وہ بھی نہیں۔ وہاں جتھا تہا جو ایک خوبی ہے۔ یہاں یہ بھی تو نہیں صرف ایک آواز ہے جو خدا کے ایک برگزیدہ انسان نے خدا سے نصرت اور تائید کے الہام پا کر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی دلکش دلآویز اور سریلی راگنی گائی۔ اور تم نے اس کو سنکر قبول کیا۔ پس اسیطرح اپنی آخرت کے واسطے بھی زاد راہ تیار کرنے میں سرتوڑ کوششیں کرو۔ اور اس کے واسطے دعاؤں اور ہاں دردمندانہ دعاؤں سے سامان مہیا ہوں گے اور توفیق عطا کیجاوے گی۔

دیکھو قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جب کسی امام سے یا پیر و مرشد سے تعلق کرتا ہے تو سوچتا ہے کہ مجھے اس سے کیا فائدہ ہوا۔ اور اس کو مجھ سے کیا نفع ہوا۔ سو اگر ان لوگوں کے ساتھ جو خدا کیطرف سے مامور ہو کر آتے ہیں اگر اول ہی اول بڑے بڑے لوگ شامل ہو جاویں تو وہ جب غور کریں کہ ہم سے ہمیں کیا فائدہ پہنچا تو معاً انکے دلوں میں یہ خیال آجاتا ہے کہ ہمیں تو جو فائدہ ہوا سو ہوا مگر اس پر ہمارے بڑے بڑے احسان ہیں۔ ہماری وجہ سے اس کو عزت ملی۔ ہمارے مالوں سے اس کے سارے کام نکلے۔ ہماری وجہ سے اس کو شہرت نصیب ہوئی۔

غرض اس طرح سے وہ سلسلہ پر اپنا احسان رکھتے ہیں۔ اس واسطے خدا جو کہ قادر مقتدر ہستی اور رب العٰلمین ہے۔ اُس نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ ماموریں اور مرسلوں کے ساتھ ابتدا میں معمولی اور غریب لوگ ہی شامل ہوا کرتے ہیں۔ اور جتنے اکابر اور بڑے بڑے مدبر کہلانے والے ہوتے ہیں وہ ان کے مقابل میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنی سفلی کوششیں ان کے نابود کر دینے میں صرف کریں۔ اور اپنے سارے زوروں سے ان مرسلوں کی بیخ کنی کے منصوبے کریں پھر اُن کو ذلیل اور پست کر دیا جاتا ہے اور خدا کے بندوں کی فتح اور نصرت ہوتی ہے اور وہی آخر کار کامیاب اور مظفر و منصور ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ تاکوئی خدائی سلسلہ پر احسان نہ رکھے۔ بلکہ خدا کی قدرت نمائی اور ذرہ نوازی کا ایک بین ثبوت ہو کر ان مومن ضعفاء کے دلوں میں ایمانی ترقی ہو۔ اور ان کے دلوں میں خدا کے عطایا۔ اُس کی قدرتوں اور کرموں کے گن گانے کے جوش پیدا ہوں۔

پس تم اس خیال کو کبھی بھی دل میں جگہ نہ دو کہ اکابر اور بڑے بڑے مالدار اور رؤسا و عظام تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ اگر تم ذلیل ہو تو تم سے پہلے بھی کئی گروہ تمہاری طرح ذلیل گزرے ہیں مگر آخرکار کامیابی کا تمغہ ایسے پاک اور مومن ذلیلوں ہی کو عطا کیا جایا کرتا ہے۔

دیکھو موسیٰ کے مقابلہ میں فرعون کیسا زبردست اور جبروت والا بادشاہ تہا مگر خدا نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ:- وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ۔ کس طرح سے اُن ضعیف اور کمزور لوگوں کو اپنے احسان سے امام اور بادشاہ بنا دیا۔

دیکھو یہ باتیں صرف کہنے ہی کی نہیں بلکہ عمل کرنے کی ہیں۔ عمل کے اصول کے واسطے کہنے والے پر حسن ظن ہونا ضروری اور لازمی امر ہے۔ اگر دل میں ہو کہ کہنے والا مرتد۔ فاسق و فاجر ہے۔ منافق ہے تو پھر نصیحت سے فائدہ اٹھانا معلوم اور عمل کرنا ظاہر۔ بعض اوقات شیطان اس طرح سے بھی حملہ کرتا ہے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیتا ہے کہ دل میں نصیحت کرنیوالے کے متعلق بدظنی پیدا کر دیتا ہے۔ پس اس سے بچنے کے واسطے بھی وہی ہتھیار ہے جس کا نام دعا۔ دردمند دل کی اور سچی تڑپ سے نکلی ہوئی دعا ہے۔

عقائد صحیحہ کے ساتھ مال کا انفاق بھی ضروری ہے۔ خیرات کرنا۔ قریبوں۔ رشتہ داروں پر۔ یتیم بچوں کو دینا۔ مسکینوں اور مسافروں کو دینا۔ سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں خرچ کرنا۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مال عزیز خرچ کرنا۔ نمازیں باقاعدہ اخلاص اور ثواب کے ماتحت ادا کرنی۔ اور ایک مقررہ حصہ اپنے مال میں سے الگ کرنا جس کا نام زکوٰۃ ہے۔ رنج میں مصائب میں شدائد میں۔ مقدمات میں۔ غربت میں صبر اور استقلال سے قدم رکھنے والے ہی خدا کو پیارے ہیں۔ انہی کا نام خدا نے صادق رکہا ہے۔ اور یہی متقی ہیں۔

ایک ہو جاؤ۔ اور وحدت کا رنگ چڑھ جاوے۔ یہاں آنیوالوں کے واسطے نہایت ضروری ہے کہ ایک دوسرے سے میل ملاپ کریں۔ پتہ مقام دریافت کریں۔ نام و نشان پوچھیں۔ اور آپس میں تعارف حاصل کریں۔ یہ بھی ایک راہ ہے وحدت کے پیدا ہونے کی۔

اور اگر کوئی کہے جلوجی ہمیں کیا ہم تو ہیں پنجاب کے اور یہ ہیں ہندوستان کے اُس سرے کے ہم تو آپس میں ملیں بیٹھیں اوروں سے کیا غرض و غایت تو وہ نادان نہیں سمجھتا کہ یہ امر وحدت کے متضاد ہے۔ بلکہ چاہئے کہ ہر ایک یہاں کے آنیوالے کے نام و نشان سے بخوبی واقفیت اور آگاہی ہو۔ اور ایک دوسرے کے حالات پوچھے جاویں۔ اسی طرح سے تعلق ہو جاتے ہیں۔ خدا کی طرف سے آنیوالے وحدت چاہتے ہیں **اخوان** کے معنے اور مفہوم بھی یہی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو جاننے پہچاننے والے ہوں۔ تعارف کو بڑہانا چاہئے۔

خدا تمہاری محنتوں۔ محبتوں۔ جانفشانیوں کو رحم سے دیکھے اور قبول کرے اور آخر تک استحکام اور استقلال بخشے۔ یہاں تک کہ کوچ کا وقت آجاوے۔ اور تم اپنے اقرار کے پورے پکے رہنے والے ہو۔ اور اللہ کی رضا کے حاصل کرنے والے اور مقدم کرنیوالے بنو۔ آمین۔

جلسہ

بات کا موقع تو کم ہے۔ آپ لوگوں کے آج یہاں پر آجانیکا تو ہمیں وہم و گمان بھی نہ تہا۔ اللہ ہی نے یہ ایک موقع نکال دیا ہے اور یہ اسکی خاص حکمت ہے۔ میں فرو عات کے جھگڑوں کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے ایک بات آپ سے کہنی ہے اور وہ یہ ہے کہ سننے والے اس وقت میرے سامنے کچھ بچے ہیں۔ کچھ جوان۔ کچھ ادھیڑ ہیں اور کچھ بوڑھے ہیں سب کو یہ بات سناتا ہوں کہ میرا یہی تجربہ ہے اور محبت اور بھلائی کیخاطر اور بہتری کی امید سے میں نے مناسب سمجھا کہ سنا دوں۔

یاد رکھو کہ ابتدائی عادات۔ لڑکپن اور جوانی کی بد عادتیں ایسی طبیعت ثانی بن جاتی ہیں کہ آخر اُن کا نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پس ابتدا میں دعا کی عادت ڈالو۔ اور اس ہتھیار سے کام لو کہ کوئی بد عادت بچپن میں نہ پڑ جاوے۔ بڑے بڈھے اپنی اولاد کے واسطے دعائیں کریں۔ اور لڑکے اور جوان اپنے واسطے آپ کریں کہ ابتدا میں عادات نیک ان کو نصیب ہوں۔

بعض وقت دیکھا ہے کہ بڑے بڑے عباد و زہاد اور صلحاء کے ساتھ ساتھ وہ بچپن کی عادات چلی جاتی ہیں۔

دیکھو جھوٹ بولنا۔ چوری کرنا۔ بدنظری کرنا۔ بیجا ہنسی مذاق اور ٹھٹھا کرنا غرض کل بد عادتیں ان سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور دعا سے کام لینا چاہئے۔ جوں جوں عمر پختہ ہوتی جاتی ہے توں توں بد عادات بھی راسخ ہوتی جاتی ہیں۔ بعض اوقات دل میں ایک شیطانی وسوسہ آجاتا ہے کہ چلو جی جہاں اور اتنی نیکیاں ہیں ایک بدی بھی سہی۔ خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ کہ یہ شیطان کا دہوکہ ہے۔ اس کے فریب میں مت آنا اور ابتدا ہی سے ان بدیوں کے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش اور سرتوڑ سعی کرتے رہنا چاہئے۔ اور ان باتوں کے واسطے عمدہ علاج دعا۔ استغفار لاحول۔ اور الحمد شریف کا پڑھنا اور صحبت صالحین ہے ٭

کلمات طیبات حضرت امام الزمان سلمہ الرحمٰن

۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء (سیر)

فرمایا اگر انسان تکبر چھوڑ دے اور اخلاق اور ملنساری سے پیش آوے تو یہ ایک بہاری معجزہ ہوتا ہے۔ اخلاقی معجزہ ہمیشہ اپنے اندر ایک زبردست تاثیر رکہتا ہے۔ درخت اپنے پہل سے پہچانا جاتا ہے۔ سچی تعلیم اور پاک ایمان کا اثر اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ درجہ کمال کے دو ہی حصہ ہیں ایک تعظیم اوامر الٰہیہ۔ دوسرے شفقت علیٰ خلق اللہ۔ امر اول کا تعلق تو دل سے اور خدا سے ہوتا ہے جسکو یکایک ہر کوئی نہیں جان سکتا۔ دوسرا پہلو چونکہ خلقت سے تعلق رکہتا ہے اور

اول ہی اول انسان کی نظر انسانی اخلاق پر پڑتی ہے اسواسطے اس خلق کا کمال ایک بڑا بھاری اور شاندار معجزہ ہے۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسے کئی ایک نمونے پائے جاتے ہیں کہ بعض لوگوں نے محض آپ کی اخلاقی کمال کیوجہ سے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مشرک عیسائی مہمان آیا۔ صحابہ رض ان کو اپنا مہمان بنانا چاہتے تھے۔ مگر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نہیں یہ میرا مہمان ہے۔ اس کا کھانا میں لاؤنگا۔ چنانچہ اس مشرک کو آنحضرت نے اپنے ہاں مہمان رکھا اور اسکی بہت خاطر تواضع کی اور عمدہ عمدہ کھانے اس کو کھلائے اور عمدہ مکان اور اچھا بستر اس کو رات بسر کرنے کے واسطے دیا۔ مگر وہ بوجہ کھانا زیادہ کھاجانے کے بدہضمی کیوجہ سے رات بھر اسی کوٹھڑی میں رفع حاجت کرتا رہا۔ مکان اور بستر خراب کر دیا۔ صبح منہ اندھیرے ہی شرم کے مارے اٹھ کر چلا گیا۔ مگر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تلاش کی اور وہ نہ ملا تو بہت ہی افسوس کیا۔ اور کپڑے جو نجاست سے آلودہ ہو گئے تھے خود اپنے دست مبارک سے صاف کر رہے تھے کہ وہ اتنے میں واپس آگیا کیونکہ وہ اپنی ایک بیش قیمت صلیب بھول گیا تھا۔ اُس کو آتے دیکھکر آنحضرت بہت خوش ہوئے اور اس سے کوئی اظہار رنج نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے اس کی مدارات اور خاطر کی اور اسکی صلیب نکالکر اسکو دیدی۔ وہ شخص اس واقعہ سے ایسا متاثر ہوا کہ وہیں **مسلمان ہوگیا**۔

اس کے سوا اور کئی ایسے ایسے واقعات اس قسم کے اعلےٰ درجہ اخلاق کے موجود ہیں۔ غرض یہ ہے کہ **اخلاقی معجزہ** صداقت کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔

یہ نہایت درجہ کا ظلم ہے کہ اسلام کو ظالم کہا جاتا ہے۔ حالانکہ **ظالم وہ خود ہیں جو تعصب** کیوجہ سے بے سوچے سمجھے اسلام پر بے جا **اعتراض** کرتے ہیں اور باوجود بار بار سمجھانے کے نہیں سمجھتے کہ اسلام کے کل جنگ اور مقابلے کفار مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر دفاعی رنگ میں حفاظت جان و مال کی غرض سے تھے اور کوئی بھی حرکت مسلمانوں کی طرف سے ایسی سرزد نہیں ہوئی جس کا ارتکاب اور ابتدا پہلے کفار کیطرف سے نہ ہوا ہو۔ بلکہ بعض قابل نفرت حرکات کا مقابلہ بتقاضائے وسعت اخلاق آنحضرت نے خود عمداً ترک کرنے کا حکم دیدیا تھا۔ مثلاً کفار میں ایک سخت قابل نفرت رسم تھی جو کہ وہ مسلمان مردوں سے کیا کرتے تھے مگر آنحضرت صلعم نے اس قبیح فعل سے مسلمانوں کو قطعاً روک دیا۔

قرآن شریف میں بڑی بسط اور تفصیل سے اس امر کا ذکر موجود ہے اگر کوئی غور کرنیوالا اور بے تعصب دل سچائی اور حق کی پیاس بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ قرآن شریف میں صاف طور سے اس امر کا ذکر آگیا ہے کہ **وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ**۔ یعنے ہر ایک شرارت اور فساد کا ابتدا پہلے کفار کیطرف سے ہوا ہے بلکہ قرآن شریف نے تو اس امر کی بڑی وضاحت کر دی ہے کہ جنہوں نے تلوار سے مقابلہ کیا ان کا مقابلہ تلوار سے کیا جاوے۔ اور جو لوگ الگ رہتے ہیں اور انہوں نے ایسی جنگوں میں کوئی حصہ نہیں لیا ان سے تم بھی جنگ مت کرو بلکہ ان سے بیشک احسان کرو اور ان کے معاملات میں عدل کیا کرو چنانچہ فرماتا ہے کہ

لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين۔

اب جائے غور ہے کہ قرآن شریف نے جن اضطراری حالتوں میں جنگ کرنے کی اجازت دی ہے اُن میں سے آج اس زمانہ میں کوئی بھی حالت موجود ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی جبر وتشدد کسی دینی معاملہ میں ہم پر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک کو پوری مذہبی ازادی دی گئی ہے۔ اب نہ کوئی جنگ کرتا ہے کسی دینی غرض کے لئے اور نہ ہی لونڈی غلام کوئی بناتا ہے۔ نہ کوئی نماز روزے آذان حج اور ارکان اسلام کی ادائیگی سے روکتا ہے تو پھر **جہاد کیسا اور لونڈی غلام کیسے**۔

مسئلہ مساوات فرمایا کہ آریہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے ایک یہ بھی اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد اور عورت میں **مساوات** نہیں رکھی۔ مردوں کو ترجیح دی ہے۔ فرمایا تعصب اور حق کی مخالفت نے ان کو اندھا کر دیا ہے۔ ایسا کہتے ان کو شرم نہیں آتی۔ پہلے اپنے گریبان میں تو مونہہ ڈالکر دیکھیں۔ اور پھر انصاف کریں۔ غور کا مقام ہے کہ ان میں سے اگر کسی آریہ کے ہاں اگر چالیس لڑکیاں بھی ہو جاویں جب بھی انکی مذہب کی رو سے اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے مونہہ کالا کرانے کے واسطے بھیجنا پڑے گا تاکہ وہ اپنی نجات کے واسطے **لڑکا حاصل کرے**۔ کیونکہ ویدوں کی تعلیم کے مطابق جس کے ہاں لڑکا نہیں اسکی مکتی نہیں۔ اب ذرا انصاف تو کریں کہ مساوات کس جانور کا نام ہے چالیس پچاس بلکہ لاتعداد لڑکیاں بھی ایک لڑکے کی برابری نہیں کر سکتیں۔ اور لڑکیاں بلحاظ کثرت کے خواہ کتنی ہی ہوں اپنی ماں کو اس قابل نفرت اور خلاف فطرت قبیح فعل سے بچا نہیں سکتیں۔ جب تک لڑکا پیدا نہ ہوئے نیوگ کرانا ہی پڑے گا۔ اب بتاؤ کہ کیا تم نے **مرد و عورت** میں مساوات رکھی ہے؟

اسلام جو کہ بڑا پاک اور بالکل فطرت انسانی کے مطابق واقع ہوا ہے اور بڑی کامل اور حکیمانہ تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے اس نے عورتوں کے نکاح میں جسطرح ولی کا ہونا ضروری قرار دیا ہے اسی طرح اُن کے طلاق میں بھی ایک ولی کا ہونا ضروری رکھا ہے۔ مثلاً جسطرح عورت اپنے نکاح کے واسطے اپنے ولی کی محتاج ہے اسیطرح طلاق کے واسطے بھی ولی کی محتاج ہے۔ اگر کسی عورت کا کسی خاص شخص سے گذارہ اور نباہ نہیں ہو سکتا تو اس کو اجازت ہے کہ قاضی یا حاکم وقت کی معرفت خلع کرالے۔ وہی قاضی یا حاکم وقت اُس کا ولی طلاق ہوگا۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔

باقی رہا ورثہ کے متعلق سو قرآن شریف نے مرد سے عورت کا حصہ نصف رکھا ہے۔ اسمیں بھید یہ ہے کہ نصف اس کو والدین کے ترکہ میں سے مل جاتا اور باقی نصف وہ اپنے سسرال میں سے جا لیتی ہے۔ اور پھر اس کے نان ونفقہ لباس و پوشاک کا ذمہ وار بھی اس کا خاوند ہوتا ہے۔ اسطرح پر ایک طرح سے عورت مرد سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

ان معترضوں کو شرم اور حیا سے کام لینا چاہئے۔ پہلے اپنے گریبان میں تو مونہہ ڈالکر جھانک لیا کریں۔ پھر زبان اعتراض کھولا کریں۔

فرمایا ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظالم کو ظالم مت کہو۔ بلکہ خود اپنے آپ کو کوسو۔ بادشاہ یا حاکم کو مت کوسو۔ اگر تم اپنی حالت کو سنوار لو تو حاکم بھی نرم اور رحمدل ہو جاویں گے اگر کسی کا حاکم ظالم اور جابر ہے تو وہ جان لے کہ اس کے اعمال ہی اس لائق ہیں۔ قرآن شریف نے کیا پاک اصول قایم کیا ہے۔ ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم

جب انسان پر خدا کیطرف سے ہی فرد جرم لگ جاوے تو کون ہے جو اسکی رعایت کرے۔ اور بچا سکے۔ حکام خدا کے قہر اور رحم کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر خدا خوش ہو تو حکام کے دل میں خود بخود رحم پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر خدا ہی ناراض ہے تو پھر انسان خود واجب سزا ہے کسی کے کیا بس کی بات۔ **پس** اگر تم اس دنیا میں ارام کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو خدا کیطرف جھک جاؤ۔ اور اپنی اصلاح کرلو۔ اور پورے طور سے خدا کے ہو جاؤ۔

من كان لله كان الله له۔ پنجابی کی مشہور مثل ہے کہ **جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو**۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا خوش ہو سب خوش ہو جاتے ہیں۔ خدا کا راضی کرنا مقدم ہے۔ نادر شاہ کے حملہ کے وقت دلی کے بعض عقلمندوں نے کیا خوب کہا ہے:۔ **شومئے اعمال ما صورت نادر گرفت**۔

تازہ وحی

۲۵ مارچ ۱۹۰۸ء

(۱) امثال الرحمت۔ اول الذکر و آخر الذکر۔

(۲) حم تلك ايات الكتب المبين۔

(۳) لا تذروه جارية۔

(۴) کبھی معدے کے خلل سے بھی ورم ہو جاتی ہے۔

انوار احمدیہ مشین پریس قادیاں میں شیخ یعقوب علی تراب احمدی کے اہتمام سے چھپکر شائع ہوا۔